

اجتماعی زندگی میں زکوٰۃ کا مقام

برادران اسلام! اس سے پہلے دو خطبوں میں آپ کے سامنے زکوٰۃ کی حقیقت بیان کر چکا ہوں۔ اب میں آپ کے سامنے اس کے ایک دوسرے پہلو پر روشنی ڈالوں گا۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ اور صدقات کے لیے جگہ جگہ اتفاق فی سبیل اللہ کا لفظ استعمال کیا گیا، یعنی ”خدا کی راہ میں خرچ کرنا“۔ بعض بعض مقامات پر یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کچھ تم راہ خدا میں صرف کرتے ہو یہ اللہ کے ذمہ قرضہ حسنہ ہے۔ گویا تم اللہ کو قرض دیتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارا قرض واپس دے گا۔ بکثرت مقامات پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں جو کچھ تم دو گے اس کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے اور وہ نہ صرف اتنا ہی تم کو واپس کرے گا بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ دے گا۔ اس مضمون پر غور کیجیے۔ کیا زمین و آسمان کا مالک، نعوذ باللہ آپ کا محتاج ہے؟ کیا اس ذات پاک کو آپ سے قرض لینے کی ضرورت ہے؟ کیا وہ پادشاہوں کا پادشاہ، وہ بے حد و حساب خزانوں کا مالک اپنے لیے آپ سے کچھ مانگتا ہے؟ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ اسی کی بخشش پر تو آپ پل رہے ہیں۔ اسی کا دیا ہوا رزق تو آپ کھاتے ہیں۔ آپ میں سے ہر امیر اور غریب کے پاس جو کچھ ہے سب اُسی کا تو عطیہ ہے۔ آپ کے ایک فقیر سے لے کر ایک کروڑ پتی اور اب پتی تک ہر شخص اس کے کرم کا محتاج ہے، اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ اس کو کیا ضرورت کہ آپ سے قرض مانگے اور اپنی ذات کے لیے آپ کے آگے ہاتھ پھیلائے؟ دراصل یہ بھی اس کی شان کریبی ہے کہ وہ آپ سے خود آپ ہی کے فائدے کے لیے، آپ ہی کی بھلائی کے لیے، آپ ہی کے کام میں خرچ کرنے کو فرماتا

ہے، اور کہتا ہے کہ یہ خرچ میری راہ میں ہے، مجھ پر قرض ہے، میرے ذمہ اس کا بدلہ ہے، اور میں تمہارا احسان مانتا ہوں۔ تم اپنی قوم کے محتاجوں اور مسکینوں کو دو۔ اس کا بدلہ وہ غریب کہاں سے دیں گے ان کی طرف سے میں دوں گا۔ تم اپنے غریب رشتہ داروں کی مدد کرو۔ اس کا احسان اُن پر نہیں، مجھ پر ہے، میں تمہارے اس احسان کو اُٹا دوں گا۔ تم اپنے یتیموں، اپنی بیواؤں، اپنے معذوروں، اپنے مسافروں، اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو جو کچھ وہ اُسے میرے حساب میں لکھ لو۔ تمہارا مطالبہ اُن کے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے اور میں اس کو ادا کروں گا۔ تم اپنے پریشان حال بھائیوں کو قرض دو اور اُن سے سُود نہ مانگو، ان کو تنگ نہ کرو، اگر وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوں تو اُن کو بول چال نہ بھجواؤ، ان کے کپڑے اور گھر کے برتن فروخت نہ کرو، ان کے بال بچوں کو گھر سے بے گھر نہ کرو۔ تمہارا قرض ان کے ذمہ نہیں، میرے ذمہ ہے۔ اگر وہ اصل ادا کریں گے تو ان کی طرف سے سُود نہیں دوں گا۔ اور اگر وہ اصل بھی ادا نہ کر سکیں گے تو میں اصل اور سُود دونوں تمہیں دوں گا۔ اسی طرح اپنی جماعتی فلاح کے کاموں میں، اپنے ابنائے نزع کی بھلائی اور بہتری کے لیے جو کچھ تم خرچ کرو گے، اس کا فائدہ اگرچہ تمہیں کو ملے گا، مگر اس کا احسان مجھ پر ہوگا۔ میں اس کی پائی پائی منافع سمیت تمہیں واپس دوں گا۔

یہ ہے اُس کریموں کے کریم، اُس پادشاہوں کے پادشاہ کی شان۔ تمہارے پاس جو کچھ ہے اسی کا بخشا ہوا ہے۔ تم کہیں اور سے نہیں لاتے۔ اسی کے خزانوں سے لیتے ہو۔ اور پھر جو کچھ دیتے ہو، اُس کو نہیں دیتے، اپنے ہی رشتہ داروں، اپنے ہی بھائی بندوں، اپنی ہی قوم کے لوگوں کو دیتے ہو، یا اپنی اجتماعی فلاح پر صرف کرتے ہو جس کا فائدہ آخر کار تم ہی کو پہنچتا ہے۔ مگر اُس فیاض حقیقی کو دیکھو کہ جو کچھ تم اس سے لے کر اپنوں کو دیتے ہو، اُسے وہ فرماتا ہے کہ تم نے مجھے دیا، میری راہ میں دیا، مجھے قرض دیا، میں اس کا اجر تمہیں دوں گا۔ اللہ اکبر! خداوند عالم

ہی کہ یہ شان کی بھی زیب دیتی ہے۔ اسی بے نیاز بادشاہ کا یہ مقام ہے کہ نیا ماضی اور جوہ و کرم کے اس بلند ترین کمال کا اظہار کرے۔ کوئی انسان اس بلند خیالی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اچھا، اب اس بات پر غور کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی اور فیاضی پر ابھارنے کا یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا؟ اس سوال پر مبتنا زیادہ آپ غور کریں گے اسی قدر زیادہ آپ پرلگائی تعلیمات کی پاکیزگی کا حال کھلے گا، اور آپ کا دل گواہی دیتا چلا جائے گا کہ ایسی بے نظیر تعلیم خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہونہیں سکتی۔

آپ جانتے ہیں کہ انسان کچھ اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے غلام و جہول واقع ہوا ہے۔ اس کی نظر تنگ ہے۔ یہ زیادہ دُور تک نہیں دیکھ سکتا۔ اس کا دل چھوٹا ہے۔ زیادہ بڑے اور اونچے خیالات اس میں کم ہی سما سکتے ہیں۔ یہ خود غرض واقع ہوا ہے اور اپنی غرض کا بھی کوئی وسیع تصور اس کے دماغ میں پیدا نہیں ہوتا۔ یہ جلد باز بھی ہے۔ خَلِيقَ الْاِنْسَانِ مِنْ عَلِیْلٍ۔ یہ ہر چیز کا نتیجہ اور فائدہ جلدی دیکھنا چاہتا ہے اور اسی نتیجہ کو نتیجہ اور اسی فائدے کو فائدہ سمجھتا ہے جو جلدی سے اس کے سامنے آجائے اور اس کو محسوس ہو جائے۔ دور رس نتائج تک اس کی نگاہ نہیں پہنچتی، اور بڑے پیمانے پر جو فائدے حاصل ہوتے ہیں، اور جن فائدوں کا سلسلہ بہت دُور تک چلتا ہے اُن کا ادراک اسے مشکل سے ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات ہوتا ہی نہیں۔ یہ انسان کی فطری کمزوری ہے۔ اور اس کمزوری کا اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہر چیز میں اپنے ذاتی فائدے کو دیکھتا ہے، اور فائدہ بھی وہ جو بہت چھوٹے پیمانے پر ہو، جلدی سے حاصل ہو جائے، اور اس کو محسوس ہو جائے۔ یہ کہتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے، یا جو کچھ مجھے اپنے باپ و ادا سے ملا ہے یہ میرا ہے۔ اس میں کسی کا حصہ نہیں۔ اس کو میری ضروریات پر، میری خواہشات پر، میری آسائش اور میری لذتِ نفس ہی پر خرچ ہونا چاہیے۔ یا ایسے کام میں خرچ ہونا چاہیے جس کا نفع جلدی سے

محسوس صورت میں میرے پاس پلٹ آئے۔ میں روپیہ صرف کروں تو اُس کے بدلے میں یا تو میرے پاس اُس سے زیادہ روپیہ آنا چاہیے، یا میری آسائش میں کچھ مزید اضافہ ہونا چاہیے، یا کم از کم یہی ہو کہ میرا نام بڑھے، میری شہرت ہو، میری عوت بڑھے، مجھے خطاب ملے، اونچی کرسی ملے، لوگ میرے سامنے جھکیں، اور زبانوں پر میرا چرچا ہو۔ اگر ان باتوں میں سے کچھ بھی مجھے حاصل نہیں ہوتا تو آخر میں کیوں اپنا مال اپنے ہاتھ سے دوں؟ قریب میں کوئی قیمتی کھجور کا درخت ہے یا آوارہ بچہ رہتا ہے تو میں کیوں اس کی خبر گیری کروں؟ اُس کا حق اس کے باپ پر تھا۔ اُسے اپنی اولاد کے لیے کچھ چھوڑ کر جانا چاہیے تھا یا انستورنس کرانا چاہیے تھا۔ کوئی بیوہ اگر میرے محلہ میں مصیبت کے دن کاٹ رہی ہے تو مجھے کیا؟ اس کے شوہر کو اس کی فکر کرنی چاہیے تھی۔ کوئی مسافر اگر بھٹکتا پھر رہا ہے تو مجھ سے کیا تعلق؟ وہ بے وقوف اپنا انتظام کیسے بغیر گھر سے کیوں نکل کھڑا ہوا؟ کوئی شخص اگر پریشان حال ہے تو ہوا کرے۔ اسے سبھی اُنہ نے میری ہی طرح ہاتھ پاؤں دیے ہیں۔ اپنی منزلت میں اسے خود پوری کرنی چاہیے۔ میں اس کی کیوں مدد کروں؟ میں اسے دوں گا تو قرض دوں گا اور اصل کے ساتھ سود بھی وصول کروں گا، کیونکہ میرا روپیہ کچھ بیکار تو ہے نہیں۔ میں اُس سے مکان بنواتا، یا موٹر خریدتا، یا کسی نفع کے کام پر لگاتا۔ کبھی اُس سے کچھ نہ کچھ فائدہ ہی اُٹھائے گا کچھ کیوں نہیں اس فائدے میں سے اپنا حصہ وصول کروں؟

اس خود غرضانہ ذہنیت کے ساتھ اول تو روپے والی آدمی خزانے کا سانپ بن کر رہے گا۔ یا خرچ کرے گا تو اپنے ذاتی فائدے کے لیے کرے گا۔ جہاں اُس کو اپنا فائدہ نظر نہ آئے گا وہاں ایک پیسہ بھی اس کی جیب سے نہ نکلے گا۔ اگر کسی غریب کی اس نے مدد کی بھی تو دراصل اس کی مدد نہ کرے گا بلکہ اس کو لوٹے گا، اور کچھ اسے دے گا اس سے زیادہ وصول کر لے گا۔ اگر کسی مسکین کو کچھ دے گا تو اس پر ہزاروں احسان رکھے گا اس کی آدمی جان نکال لے گا اور اس کی اتنی تڑیل

و تحفیہ کرے گا کہ اس میں کوئی خودداری باقی نہ رہ سکے گی۔ اگر کسی قومی کام میں حصہ لے گا تو سب سے پہلے یہ دیکھ لے گا کہ اس میں میرا ذاتی فائدہ کس قدر ہے۔ جن کاموں میں اس کی اپنی ذات کا کوئی فائدہ نہ ہو وہ سب اس کی مدد سے محروم رہ جائیں گے۔

اس ذہنیت کے نتائج کیا ہیں؟ اس کے نتائج صرف اجتماعی زندگی ہی کے لیے حملک نہیں ہیں بلکہ آخر کار خود اس شخص کے لیے بھی نقصان دہ ہیں جو تنگ نظری اور جہالت کی وجہ سے اس کو اپنے لیے فائدہ مند سمجھتا ہے۔ جب لوگوں میں یہ ذہنیت کام کر رہی ہو تو تھوڑے سے اشخاص کے پاس دولت سمٹ سمٹ کر آٹھی ہوتی چلی جاتی ہے اور بے شمار اشخاص بے وسیلہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ دولت مند لوگ روپے کے زور سے روپیہ کھینچتے رہتے ہیں، اور غریب لوگوں کی زندگی روز بروز تنگ ہوتی جاتی ہے۔ ان فلاس جس سوسائٹی میں عام ہو وہ طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اس کی جسمانی صحت خراب ہوتی ہے۔ اس میں بیماریاں پھیلتی ہیں۔ اس میں کام کرنے اور دولت پیدا کرنے کی قوت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس میں جہالت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے اخلاق گرنے لگتے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہے اور آخر کار یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ وہ لوٹ مار پر اتر آتی ہے۔ عام بوسے ہوتے ہیں۔ دولت مند لوگ قتل کیے جاتے ہیں، ان کے گھر بار لوٹے اور جلائے جاتے ہیں، اور وہ اس طرح تباہ و برباد ہوتے ہیں کہ ان کا نام و نشان تک دنیا میں باقی نہیں رہتا۔

اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہو سکتا ہے کہ حقیقت شہنشاہ کی جھلمالی اُس جماعت کی جھلمالی کے ساتھ وابستہ ہے جس کے دائرہ میں وہ رہتا ہے۔ آپ کے پاس جو دولت ہے اگر آپ اس سے اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کریں تو یہ دولت چکر لگاتی ہوئی بہت سے فائدوں کے ساتھ پھیر آپ کے پاس پلٹ کر آئے گی۔ اور اگر آپ تنگ نظری کے ساتھ اس کو اپنے پاس جمیع کھیں گے

یا صرف اپنے ہی ذاتی فائدے پر خرچ کریں گے تو یہ بالآخر گھسٹی چلی جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے ایک یتیم بچے کی پرورش کی اور اسے تعلیم دے کر اس قابل بنا دیا کہ وہ آپ کی جماعت کا ایک کمانڈر والا فرد بن جائے تو گویا آپ نے جماعت کی دولت میں اضافہ کیا اور ظاہر ہے کہ جب جماعت کی دولت بڑھے گی تو آپ، جماعت کے ایک فرد ہیں، آپ کو بھی اس دولت میں سے بہرہ حاصل حصہ ملے گا، خواہ آپ کو کسی حساب سے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ حصہ آپ کو اس خاص یتیم کی قابلیت سے پہنچا ہے جس کی آپ نے مدد کی تھی۔ لیکن اگر آپ نے خود غرضی اور تنگ نظری سے کام لے کر یہ کہا کہ میں اس کی مدد کیوں کروں، اس کے باپ کو اس کے لیے کچھ نہ کچھ چھوڑنا چاہیے تھا، تو وہ آوارہ پتھر کا ایک بے کار آدمی بن کر رہ جائے گا۔ اس میں یہ قابلیت ہی پیدا نہ ہو سکے گی کہ اپنی محنت سے جماعت کی دولت میں کوئی اضافہ کر سکے۔ بلکہ کچھ عجب نہیں کہ وہ جرائم پیشہ بن جائے اور ایک روز خود آپ کے گھر میں نقب لگائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ نے اپنی جماعت کے ایک شخص کو بے کار اور آوارہ اور جرائم پیشہ بنا کر اس کا ہی نہیں، خود اپنا بھی نقصان کیا۔ اس ایک مثال پر تیسرا سہ کر کے آپ ذرا وسیع نظر سے دیکھیں تو آپ کو دکھائی دے گا کہ جو شخص بے غرضی کے ساتھ جماعت کی بھلائی کے لیے روپیہ صرف کرتا ہے، اس کا روپیہ ظاہر میں تو اس کی جیب سے نکل جاتا ہے، مگر باہر وہ بڑھتا اور پھلتا چھوٹتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں وہ بے شمار فائدوں کے ساتھ اسی جیب میں واپس آتا ہے جس سے وہ کبھی نکلا تھا۔ اور جو شخص خود غرضی اور تنگ نظری کے ساتھ روپیہ کو اپنے پاس روک رکھتا ہے اور جماعت کی بھلائی پر خرچ نہیں کرتا وہ ظاہر میں تو اپنا روپیہ محفوظ رکھتا ہے یا سود کھا کر اسے اور بڑھا تا ہے، مگر حقیقت میں وہ اپنی حماقت سے اپنی دولت گھٹاتا ہے اور اپنی بے بادی کا سامان کرتا ہے۔ یہی راز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ :-

يَبْحَثُ اللَّهُ الْبَالُغَ وَيَسْرِي

الصَّدَقَاتِ -

چلا جاتا ہے۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن دِينَارٍ

أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَذُكُوا عِنْدَ اللَّهِ وَمَا

آتَيْتُم مِّن نَّارٍ كَوَافٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْحِقُونَ -

تم جو سو روپیے ہر سو روپیہ کہہ کر یہ لوگوں کی دولت بڑھانے

تو دراصل اللہ کے نزدیک اس سے دولت نہیں بڑھتی۔

ابنہ جو زکوٰۃ تم محض خدا کی رضا جوئی کے لیے دیتے ہو،

وہ درگونی چگنی بڑتی چلی جاتی ہے۔

لیکن اس راز کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں انسان کی تنگ نظری اور اس کی

جہالت مانع ہے۔ محسوسات کا بندہ ہے۔ جو روپیہ اس کی حیب میں ہے اس کو تو یہ دیکھ سکتا ہے

کہ اس کی حیب میں ہے۔ جو روپیہ اس کے بھی کھانے کی رو سے بڑھ رہا ہے، اس کو بھی یہ جانتا

ہے کہ واقعی بڑھ رہا ہے۔ مگر جو روپیہ اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اس کو یہ نہیں دیکھ سکتا

کہ وہ کہاں بڑھ رہا ہے، کس طرح بڑھ رہا ہے، کتنا بڑھ رہا ہے، اور کب اس کے پاس خاندوں

اور منافع کے ساتھ واپس آتا ہے۔ یہ تو بس یہی سمجھتا ہے کہ اس قدر روپیہ میرے پاس سے گیا اور

ہمیشہ کے لیے چلا گیا۔

اس جہالت کے بند کو آج تک انسان اپنی عقل یا اپنی کوشش سے نہیں کھول سکا تمام

دنیا میں یہی حال ہے۔ ایک طرف سرمایہ داروں کی دنیا ہے جہاں سارے کام سو روپے پر چل

رہے ہیں اور دولت کی کثرت کے باوجود روز بروز مصیبتوں اور پریشانیوں میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا

ہے۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا ہے اور بڑھتا چلا جا رہا ہے جس کے دل میں حسد

کی آگ جل رہی ہے اور جو سرمایہ داروں کے خزانوں پر ڈاکہ مارنے کے ساتھ انسانی تہذیب و تمدن

کی ساری بساط بھی الٹ دینا چاہتا ہے۔

اس پیچیدگی کو اس حکیم و داناستی نے حل کیا ہے جس کی کتاب پاک کا نام قرآن ہے۔ اس قفل کی کنجی ایمان یا فائد اور ایمان بالیوم الآخر ہے۔ اگر آدمی خدا پر ایمان لے آئے اور یہ جان لے کہ زمین و آسمان کے غز الووں کا اصل مالک خدا ہے، اور انسانی معاملات کا انتظام اصل میں خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، اور خدا کے پاس ایک ایک ذرے کا حساب ہے، اور انسان کی ساری بھلائیوں اور بُرائیوں کی آخری جزا و سزا اٹھیک ٹھیک حساب کے مطابق آخرت میں ملے گی، تو اس کے لیے یہ بالکل آسان ہو جائے گا کہ اپنی نظر پر بھروسہ کرنے کے بجائے خدا پر بھروسہ کرے، اور اپنی دولت کو خدا کی ہدایت کے مطابق خرچ کرے، اور اس کے نفع و نقصان کو خدا پر چھوڑ دے۔ اس ایمان کے ساتھ وہ جو کچھ خرچ کرے گا وہ دراصل خدا کو دے گا۔ اس کا حساب کتاب بھی خدا کے ہی ہاتھ میں لکھا جائے گا۔ خواہ دنیا میں کسی کو اس کے احسان کا علم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کے علم میں ضرور آئے گا، اور خواہ اس کا احسان کوئی مانے یا نہ مانے، خدا اس کے احسان کو مانے اور جانے گا، اور خدا کا جب یہ وعدہ ہو چکا ہے کہ وہ اس کا بدلہ دے گا تو یقین ہے کہ وہ اس کا بدلہ ضرور دے گا خواہ آخرت میں دے یا دنیا اور آخرت دونوں میں دے۔